تذکرہ تبصرہ

جاوید احمد الغامدی

تصوّف اور علامہ ظہیؔر

علامہ احسان الٰہی ظہیؔر برسوں اسی شہر میں رہے۔ دو تین مرتبہ ان کی تقریر سننے کا بھی اتفاق ہوا۔ پچھلے چند سالوں میں ان کے بیانات بھی کم و بیش روزانہ اخباروں میں نظر سے گزرتے رہے، لیکن ان کی افتادِ طبع اور مقاصد و مشاغل کی نوعیت ایسی تھی کہ میرے جیسے طالبِ علم کے لیے، جس کے شب و روز لفظ و معنی ہی کی صحبت میں بسر ہوتے ہیں، ان کے ساتھ کسی مناسبت کا کوئی امکان نہ تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ دس پندرہ کتابوں کے مصنف ہیں، لیکن ان کے موضوعات ایسے تھے کہ مجھے ان سے کوئی دل چسپی نہ ہو سکتی تھی۔ ایک دو مرتبہ جب انھوں نے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو یوں سمجھیے کہ میں بس حاضر ہو گیا۔ چنانچہ اس سارے عرصے میں اس سے زیادہ کوئی ربط و تعلق ان سے پیدا نہ ہو سکا کہ اب وہ بھی مجھے جانتے تھے۔

یہ ان کی وفات سے کوئی سال ڈیڑھ سال پہلے کی بات ہے کہ مجھے کسی نے بتایا کہ انھوں نے تصوّف کے موضوع پر بھی ایک کتاب لکھی ہے۔ اس موضوع سے میری دلچسپی کی عمر اپنی ذات کے بارے میں میرے شعور کی عمر ہی کے برابر ہے۔ میرے والدِ گرامی سلسلہ جنیدیہ قادریہ میں مجازِ بیعت تھے۔ میں نے اپنی زندگی میں سب سے پہلے جس غیر معمولی شخصیت کو دیکھا وہ ان کے شیخ ہی تھے۔ تصوف کی امہاتِ کتب میں سے "فتوحات"، "فصوص الحکم"، "قوت القلوب"، "اللمع" اور "عوارف المعارف" میں نے پہلی مرتبہ اس زمانہ میں پڑھی ہیں، جب نصابی کتابوں کے سوا کسی کتاب کا تصور بھی دیہات کے کسی طالبِ علم کے ذہن میں نہیں ہوتا۔ چنانچہ ۱۹۷۱ء میں، جب میں لاہور کے گورنمنٹ کالج میں فلسفہ اور انگریزی ادب کا طالبِ علم تھا میری رائے

یہی تھی کہ دین کی اصل تعبیر تصوّف ہی ہے اور میرا ارادہ تھا کہ میں اسی کے نقطۂ نظر سے دین کے بعض اہم موضوعات پر علمی کام کروں گا

میری زندگی کا یہی وُہ دور ہے، جب میں نے قرآن مجید کو باقاعدہ طریقے سے پڑھنا شروع کیا۔ کم و بیش پانچ سال تک دقّتِ نظر کے ساتھ اللہ کی اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت مجھ پر بالکل واضح ہوگئی کہ تصوف کا اس کتاب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ قطعی طور پر ایک متوازی دین ہے، جو انسان کی معلوم تاریخ کے ہر دَور میں اس دین کے بالمقابل موجود رہا ہے، جو اللہ کے نبیوں نے پیش کیا ہے۔ اس کے بعد ان پچھلے دس گیارہ سالوں میں میں نے اس سلسلہ میں بہت کچھ پڑھا ہے، لیکن اس کے نتیجے میں میری یہ رائے پختہ تر ہوئی ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

اپنے اس نقطۂ نظر کی بنا پر جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ علامہ احسان الٰہی ظہیر صاحب نے بھی اس موضوع پر عربی زبان میں ایک کتاب لکھی ہے تو مجھے اس سے دلچسپی ہوئی۔ چنانچہ ان کی وفات سے چند ماہ پہلے، میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ ان کی جو کتاب پڑھی وہ یہی تھی۔

اس کتاب کا نام "التصوف: المنشأ والمصادر" ہے۔ اس کے مقدمہ میں وہ لکھتے ہیں:

"مجھے پہلے یہ خیال تھا کہ یہ صرف چند غالی لوگ ہیں، جنھوں نے تصوف کا چہرہ بگاڑا اور اہلِ تصوّف کی بدنامی کا باعث بنے ہیں۔ میری یہ رائے تھی کہ غلو اور انتہا پسندی ہی ہے، جس نے انھیں موردِ طعن بنایا اور ان میں اور اہلِ تشیع میں بڑی حد تک مشابہت کا گمان پیدا کر دیا ہے لیکن جیسے جیسے میں اس موضوع کے اندر اترتا چلا گیا، اور مجھے خود ان کا اور ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا، اور میں نے ان کے مختلف گروہوں اور سلسلوں کے حالات کا جائزہ لیا اور ان کے سیر و سوانح کی تحقیق کی تو مجھ پر یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو گئی کہ اہلِ تشیع کی طرح ان میں بھی اعتدال نام کی کوئی چیز سرے سے پائی ہی نہیں جاتی۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ تصوف اور اہلِ تصوف میں اعتدال کی تلاش بالکل ایسے ہی ہے جیسے

پرندوں میں عنقاد ڈھونڈنے کی کوشش کی جائے۔ جس طرح کوئی شیعہ اگر غالی اور انتہا پسند نہ ہو تو وہ شیعہ نہیں ہو سکتا، اسی طرح کوئی صوفی بھی اگر مخلوق میں خالق کے اوصاف ثابت نہیں کرتا تو اسے صوفی یا ولی قرار دینا ممکن نہیں ہے۔" (ص ٦)

تصوّف اور اہلِ تصوّف کے بارے میں ان کا یہی نقطۂ نظر ہے، جسے انہوں نے اپنی اس کتاب میں بہت خوبی کے ساتھ ثابت کر دیا ہے۔ ہر وہ شخص جو اس کتاب کا مطالعہ بغیر کسی تعصب کے کرے گا، اس پر یہ حقیقت بالکل واضح ہو جائے گی کہ شیعوں کی طرح یہ اہل تصوّف بھی اس بات کے قائل ہیں کہ حقیقت نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نہیں ہوئی اور وحی اب بھی نازل ہوتی ہے، فرشتے اب بھی اترتے اور اللہ تعالیٰ اب بھی اپنے بندوں سے کلام فرماتے ہیں۔ وہ انہی کی طرح یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ زمین پر ہر زمانے میں کوئی ایسا شخص ضرور موجود ہوتا ہے جس کی حیثیت "قائم الزمان" اور "قطب" کی ہوتی ہے اور اس کا نظام اسی کے وجود سے قائم رہتا ہے۔ ان کے نزدیک کسی کی کوئی عبادت اس ہستی کے بغیر قبول نہیں ہوتی اور اس کا مقام مقامِ نبوت سے، لامحالہ، اونچا ہوتا ہے۔

اس کتاب کے پہلے باب میں انہوں نے تصوّف کی تاریخ بیان کی ہے اور اس کی روشنی میں واضح کیا ہے کہ اسلام کی سرزمین میں یہ ایک اجنبی پودا ہے جس کے لیے قرآن وسنت میں کوئی ماخذ تلاش نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرے باب میں انہوں نے تصوّف کے ماخذ بیان کیے ہیں اور ناقابلِ تردید شواہد کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ اس دین کا منبع درحقیقت، مسیحیت، ہندو ایران کے قدیم مذاہب اور نو افلاطونی فلسفہ کے عقائد و نظریات ہیں۔

تیسرے اور آخری باب کا عنوان 'تصوف اور شعیت' ہے اس میں انہوں نے اہلِ تشیع اور صوفیہ کے مستند لٹریچر سے ان کے عقائد نقل کر کے ان دونوں مذاہب کی مماثلت اس طرح واضح کر دی ہے کہ صاف یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی وقت میں ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں۔

ان کا اسلوبِ بیان اس کتاب میں نہایت شستہ، بحث و نظر کا انداز

خالص علمی اور تحقیق و حوالہ کا طریقہ آخری حد تک دیانت دارانہ ہے۔

اہلِ تصوّف کی جن کتابوں سے انہوں نے ان کے عقائد و نظریات پیش کیے ہیں، وہ سب ان کے اکابر کی کتابیں ہیں۔ انہوں نے اپنی بحث کا مدار غزالی کی "احیاء علوم الدّین"، عبدالعزیز الدباغ کی "الابریز"، نجم الدین کبریٰ کی "آداب الصّوفیہ"، ابن عربی کی "فتوحات"، "فصوص"، "مواقع النجوم"، "الاسراء"، "التدبیرات الالٰہیہ" اور "التجلّیات"، عبدالکریم الجیلی کی "الانسان الکامل"، شعرانی کی "الطبقات الکبریٰ"، فرید الدین عطّار کی "تذکرۃ الاولیاء"، عبدالکریم القشیری کی "الرسالۃ القشیریہ"، ابوطالب مکّی کی "قوت القلوب"، سہروردی کی "عوارف المعارف"، علی ہجویری کی "کشف المحجوب"، سراج طوسی کی "اللمع"، ابو اسماعیل ہروی کی "منازل السائرین" اور عبدالرحمٰن جامی کی "نفحات الانس" جیسی کتابوں پر رکھا ہے، اور ان سے کوئی ایسی بات نہیں لی جس میں کسی دوسری تاویل کے لیے کوئی گنجائش پیدا کی جا سکتی ہو۔

اہلِ تصوّف کے بالمقابل قرآن و سنت کا نقطۂ نظر، البتہ، انہوں نے جس طرح پیش کیا ہے، وہ ہماری رائے میں اس سے زیادہ شرح و وضاحت اور اس سے محکم تر استدلال کا متقاضی تھا۔ انہوں نے اس پہلو سے مباحث کی تفصیل کے بجائے صوفیہ، مستشرقین، اہل تشیع وغیرہ کی کتابوں سے حوالے جمع کر دینے پر زیادہ توجہ دی ہے۔ تاہم اس کے باوجود ان کی یہ کاوش اس قابل ہے کہ علم و دانش کی مجالس میں اسے، اگر اللہ نے چاہا تو ہمیشہ قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ اس کتاب کو ان کی مغفرت کا ذریعہ بنائے اور ان کے جانشینوں کو بھی اس معاملے میں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ وما توفیقنا الا باللہ۔

نوٹ: جناب جاوید احمد غامدی چونکہ علامہ صاحبؒ کی اسی موضوع پر دوسری تصنیف کا دستیاب نہ ہونے کے باعث مطالعہ نہیں کر سکے اس لیے انہیں التصوف: المنشأ والمصادر" میں یہ تفریط نظر آئی ہے۔ اس پہلو کی تشنگی کا ازالہ دوسری تصنیف "دراسات فی التصوف" میں کر دیا گیا ہے۔

(ادارہ)